ربوٰا

محترم منصور احمد صاحب بٹلا کا یہ فکر انگیز مقالہ ہمیں کتابی شکل میں موصول ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ اس میں فاضل مقالہ نگار کی جانب سے "پیش لفظ" کو بھی شامل کیا گیا ہے، مقالے کے مطالعے سے قبل، ہماری خواہش ہو گی کہ آپ "حرفِ اوّل" صفحہ ۳ پر ایک نظر ضرور ڈال لیں۔ شکریہ (ادارہ)

© rasailojaraid.com

پیش لفظ

اس مقالے میں ربٰوا کی شرعی حیثیت پر بحث نہیں کی گئی۔ صرف ربٰوا کی ممانعت کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ معاشرے سے ربٰوا کی مانند دوسری بنیادی برائیوں کو ختم کئے بغیر ترکِ ربٰوا کے قانون سے معاشرتی اصلاح کا پہلو پورا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ صفحہ ۱۱ سے ۷۱ تک انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اسلام کے معاشی نظام میں تجارتی لین دین کے مدھم سے خد و خال پیش کئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہی پہلو اس نظام کا اولین جزء ہے۔ جس سے اسلام کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

اس مقالے کے آخر میں حضرت مولینا ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہٗ کی ایک تقریر سے کچھ اقتباس شامل کیا گیا ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیئے کہ حضرت نے یہ مقالہ ملاحظہ فرمایا ہے یا حضرت اس مقالے کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں۔ یہ مقالہ ہمارے اپنے خیالات کا اظہار ہے۔ اس مقالے میں اقتباس کی شمولیت اس کی اہمیت کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ خاکسار

منصور احمد بٹلا

جون ۱۹۸۵ء

© rasailojaraid.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِسلام کے معاشی نظام میں رِبوا کی ممانعت کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ اس سے ہم سب واقف ہیں۔ لیکن رِبوا کی ممانعت کا صحیح مفہوم اور مقصد ہمارے ذہن میں واضح نہیں ہے آج ساری دنیا کی نگاہیں ایسے معاشی نظام کی تلاش میں لگی ہوئی ہیں۔ جس سے دکھی انسانیت کے مسائل حل ہوں اور انسان کی زندگی اور معاشی جدوجہد میں توازن پیدا ہو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام انسانیت کے معاشی مسائل کا حل ہے لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمان بھی بنیادی مسائل حل کرنے کی بجائے مالیات کے موجودہ طریقوں میں معمولی رد و بدل پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور دنیا کے مروجہ استحصالی معاشی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دینے کی بجائے اس کی صرف ایک کڑی کو کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ کڑی بھی آخری کڑی ہے۔ اس سے پہلے کی تمام کڑیوں کو اسی طرح بحال رکھ رہے ہیں۔ اس صورتِ حال پر دوسری اقوام مسلمانوں کا مضحکہ اڑا رہی ہیں۔

انسانیت کو تباہ کرنے والی دوسری اہم برائیاں مثلاً گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری بھی معاشرے کی تباہی میں رِبوا کی طرح ہی اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور معاشرتی توازن کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ اِن برائیوں کے خلاف روایتی طور پر آوازیں تو بلند کی جاتی ہیں لیکن اِن کو ختم کرنے کے لئے کوئی موثر اور مربوط حکمت عملی اختیار نہیں کی جاتی۔ ان برائیوں نے پوری دنیا پر جو نتیجے مرتب کئے ہیں۔ وہ بھی سب

© rasailojaraid.com

کے سامنے ہیں۔ چند برس پہلے اجارہ داری کے ذریعے تیل برآمد کرنے والے ممالک (OPEC) نے دنیا کو گرانی کے جس بھنور میں پھنسایا۔ اس کے غریب ممالک پر جو اثرات پڑے وہ سب کے علم میں ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کی تباہ حالی اور غربت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس سے بنی نوعِ انسان کو جو نقصان پہنچا وہ تو الگ بات ہے خود تیل سے کمائی ہوئی دولت نے اُن کے اپنے معاشرے میں جو خرابیاں اور بد اخلاقی پیدا کی وہ سب کے سامنے ہیں۔ اب یہی تیل پیدا کرنے والے ممالک ذخیرہ اندوزی یعنی تیل کو کنوؤں میں ہی جمع رکھنے کے عمل سے مہنگائی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف مغربی ممالک نے دیگر اہم وسائل، علم وفن اور صنعت و دولت پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ اِن شعبوں میں ساری دُنیا اُن کی محتاج ہے۔ اسی طرح اسلحہ پر بڑی طاقتوں کی اجارہ داری ہے۔ وہ جب چاہیں جس ملک پر قبضہ کرلیں۔ جس ملک کو چاہیں اسلحہ دیں۔ جسے چاہیں روک دیں۔ کسی کو فتحیاب کرادیں کسی کو شکست دلوادیں۔ اِن بڑی طاقتوں کی ایٹمی اسلحہ پر بھی اجارہ داری ہے اور ان کے پاس ایٹم بموں کی ایسی ذخیرہ اندوزی ہے کہ وہ جب چاہیں ساری دنیا کو مکمل تباہی سے ہم کنار کرسکتے ہیں۔ یہ سب اجارہ داری اور ذخیرہ اندوزی کی برائیوں کے سبب سے ہے۔

بین الاقوامی سطح پر گراں فروشی اور منافع خوری ہی وہ اسباب ہیں۔ جس کی وجہ سے ترقی پذیر ممالک اپنے قرضہ جات ادا کرنے کے قابل نہیں ہو پاتے۔ کیونکہ جو اشیاء، امداد اور قرضے کے ذریعے ان ملکوں کو ملتی ہیں، اُس میں سود کی شرح اتنی اثر انداز نہیں ہوتی جتنا اشیا کی غیر معمولی قیمتیں بھاری پڑتی ہیں۔ اس طرح امداد اور قرضے کی اصل رقم تجارت کے ذریعے منافع سے شروع میں ہی وصول ہوجاتی ہے اور اصل رقم بمعہ سود باقی رہ جاتی ہے۔ اس طریق کار میں ترقی پذیر ممالک کا قصور نہیں۔ اس لئے کہ گراں فروشی اور منافع خوری تجارتی لین دین میں ساری دنیا میں عام ہے جس میں ترقی پذیر ممالک بھی شامل ہیں۔

ان سب برائیوں سے بھی بڑی برائی جو معاشرت اور معیشت دونوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے حُبِّ مال ہے یہی تمام معاشی برائیوں کی بنیاد ہے۔ اسی سے ساری معاشی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

خرابیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ حُبِّ مال کے نتیجے میں انسان دولت کو جمع کرتا چلا جاتا ہے۔ اُسے مفادِ عامہ کے لئے صرف کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں رِبٰوا کی طرح جمع مال کے لئے بھی بڑی وعید فرمائی ہے لیکن اس بُرائی میں ظاہری اور وقتی کشش اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایسی سخت وعید کے باوجود افراد اور اقوام دونوں اپنی استعداد اور حالت کے مطابق جمع مال کرتے چلے جاتے ہیں۔ جمع مال سے ہمیں روکنے کے لئے ارشاداتِ قرآنی یوں ہیں:

واعلموا ۱۰ — التوبة ۹

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

(ترجمہ از مولینا فتح محمد صاحب جالندھری)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے اُن کو اُس دن کے عذابِ الیم کی خوشخبری سنا دو، جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائیگا۔ پھر اُس سے اُن (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائیگا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔

عمّ ۳۰ — الھمزة ۱۰۴

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴿١﴾ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ﴿٢﴾ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ﴿٣﴾ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿٤﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ﴿٦﴾ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ﴿٧﴾

ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے جو مال جمع کرتا اور اُس کو گن گن کر رکھتا ہے (اور) خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا ہرگز نہیں وہ ضرور حُطمہ میں ڈالا جائے گا۔ اور تم کیا سمجھے کہ حُطمہ کیا ہے۔ وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں پر جا لپٹے گی۔

ارتکازِ زر یعنی مال جمع کرتے رہنا اور اس کی طاقت پر تجارت میں ذخیرہ اندوزی، اجارہ داری، منافع خوری یا رِبٰوا کی آمدنی حاصل کرنا ایسی برائیاں ہیں جن سب کے خلاف اسلام کا معاشی نظام اعلان جنگ کرتا ہے اور انسانیت کو اپنی جکڑ میں لینے والی اس زنجیر کو کاٹتا ہے۔ اس زنجیر میں یہ سب برائیاں کڑیوں کی طرح ایک دوسرے میں

© rasailojaraid.com

پیوست ہیں۔ رِبٰوا کی آمدنی اس کی سب سے آخری کڑی ہے اور آخری کڑی اس وجہ سے ہے کہ یہ استحصالی نظام کا انجام ہے آغاز نہیں ہے نتیجہ ہے، سبب نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے آخری سال یعنی تیئس برس بعد اس برائی سے سختی کے ساتھ روکا۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے معاشرے کی مکمل تطہیر کی، اخوت و مساوات کے اصول قائم فرمائے اور زیادہ منافع خوری، گراں فروشی، فضول خرچی، اخراجات میں عدم توازن اور معاشرت میں تفاوت سے مسلمانوں کو منع فرمایا اور اس طرح معاشرے کو پاک کیا۔ یعنی افراد معاشرہ میں ایثار و قربانی، خدمت و محبت، اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا اور صرف اپنے مفاد کی بجائے پورے معاشرے کے مفاد کو ملحوظ رکھنے کا جذبہ پیدا کیا۔ صحابۂ کرام کی زندگیاں انہیں تعلیمات کا عملی نمونہ تھیں۔ وہ خود تکلیف اُٹھاتے تھے اور دوسروں کو آرام پہنچاتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ منورہ پہنچے تو انصار نے اپنے تمام مال و متاع کا نصف اُن کو پیش کر دیا۔

جب مسلمانوں کی زندگی میں نواہی سے رُکنے اور اوامر پر عمل کرنے اور بالخصوص دوسروں کی اعانت، مساوات اور اخوت کی صفات پختہ ہو گئیں۔ تجارت اور معاملات میں سچائی اور دیانت داری آگئی تو استحصال کی آخری شکل یعنی راس المال پر زائد وصول کرنا سختی سے منع کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ بات اُسی وقت سمجھ میں آسکتی ہے۔ جب انسان کا مزاج مکمل طور پر اسلامی سانچے میں ڈھل چکا ہو اور وہ حقیقی معنوں میں مومن بن جائے، انفرادی عمل میں تو ہر برائی کو چھوڑنا جس میں رِبٰوا بھی شامل ہے ایمان لانے کے فوراً بعد لازم آجاتا ہے۔ لیکن رِبٰوا کی قانونی ممانعت مکمل اسلامی معاشی نظام کا ایک حصہ ہے اس لئے ملکی قوانین اور انتظامی امور میں رِبٰوا کی ممانعت کا اطلاق مکمل اسلامی معاشی نظام کے قیام میں سب سے آخر میں آتا ہے۔ یعنی اُس وقت جب معاشرہ مکمل طور پر اسلام کے اصولوں پر استوار ہو جائے جس کا مقصد انسانیت کی بھلائی کے لئے مال کا خرچ کرنا اور نیکی کمانا ہو مال کا کمانا نہ ہو۔

© rasailojaraid.co

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص مومن ہے۔ اُس کے دل میں اللہ کا خوف، آخرت میں ثواب کی امید اور عذاب کا ڈر ہے۔ یہ یقین ہے کہ موت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ سب مسلمانوں کو وہ آپس میں بھائی بھائی سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کے پاس ایک کروڑ روپے ہیں تو کیا وہ اس روپے کو دوسرے مسلمان بھائیوں کے مفاد میں خرچ کرنے کی تدبیر سوچے گا اور آخرت کی کمائی کرے گا یا اُس سے مزید ۱۵ لاکھ روپے سالانہ آمدنی حاصل کرکے اپنا سرمایہ بڑھانے کی خواہش کرے گا؟ اسی طرح اگر کوئی شخص فاضل روپے سے جائداد بنا کر کرائے پر اٹھائے تو وہ زیادہ سے زیادہ کرایہ وصول کرکے اپنی دولت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے گا یا لوگوں کو کم کرائے پر مکان مہیا کرے گا؟ اگر وہ شخص تاجر ہے تو کیا وہ گراں فروشی اور منافع خوری کے ذریعہ اپنی دولت کئی گنا کرنے کی کوشش کرے گا یا لوگوں کو سستے دام یعنی قلیل منافع پر اشیائے ضرورت بہم پہنچانے کا باعث بنے گا۔ اسلام پر ایمان سے مسلمان کے ذہن میں یہی تو سب سے بڑی تبدیلی آتی ہے کہ اُس کے تصورات اور اُس کے مقصد زندگی کا رُخ آمدنی کی خواہش کے بجائے اور مال جمع کرنے کے بجائے مال کو انسانیت کی بھلائی کے لئے خرچ کرنے اور دوسروں کی خدمت کرنے کی طرف لگ جاتا ہے۔

ایمان کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ اسی لئے یہ بات بہت دشوار ہے کہ ہم اسلام کے اُس مکمل معاشی نظام کو بیک وقت ایک ہی کوشش میں اپنالیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس برس میں نافذ کیا۔ یہ مرحلہ دشوار صرف اس لئے ہے کہ اس کے لئے پہلے کردار سازی لازم ہے تاکہ ایسے صالح افراد پیدا ہوں جن کی زندگی کے ہر شعبہ میں ایمان پوری طرح سرایت کرچکا ہو۔ ایسے افراد کے بغیر اسلام کا معاشی نظام تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے ہمیں اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے ایک ایک بُرائی کو سلسلہ وار دور کرنا ہوگا۔ جس میں ربٰوا یعنی راس المال پر بڑھتی رقم لینے کا خاتمہ سب سے آخر میں آتا ہے۔ اگر تجارت میں مسلمان جھوٹ، فریب، ملاوٹ، بددیانتی، ٹیکسوں کی چوری، معاہدوں کی خلاف ورزی، زیادہ منافع خوری، ذخیرہ اندوزی کرتے رہیں اور ملازمت میں رشوت اور غبن کا سلسلہ جاری رہے تو صرف

© rasailojaraid.co

ترکِ رِبٰوا کے قانون سے اسلام کا معاشی نظام وجود میں نہیں آسکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف رِبٰوا کو ترک کرنے کے قانون سے نہ معاشرہ درست ہوگا۔ نہ انفرادی طور پر اُس کا اجر اُن لوگوں کو ملے گا جو معاشرتی معاملات کی دوسری برائیوں میں ملوث ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی دوسری تمام برائیاں چھوڑ دے اور رِبٰوا کی آمدنی کو ترک نہ کرے تو وہ بھی مواخذہ سے بچ نہ سکے گا۔ ایک خرابی کو دور کرنے اور دوسری کو جاری رہنے دینے سے معاشرے کی ناہمواری کبھی بھی دور نہیں ہوگی۔

"سود" کو ختم کرنے اور شراکتی نظام رائج کرنے کے لئے ہمارے دلائل کا انحصار درج ذیل آیت پر ہے۔

(۱) قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ

وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام

مروجہ ترجموں میں اس آیت کے دو حصّے کئے گئے ہیں۔ پہلے حصّہ کو قول مشرکین اور دوسرے حصّہ کو اللہ کا کلام سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ پورا جملہ مشرکین کا قول ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بیع اور رِبٰوا ایک ہی طرح کا معاملہ ہے۔ پھر کیا وجہ ہے اللہ نے بیع کو حلال اور رِبٰوا کو حرام قرار دیا ہے۔ مشرکین کے اس قول میں ان کی پوری ذہنیت کارفرما ہے۔ کیونکہ غیر مومنین کا رجحان صرف ذاتی مفاد کی طرف ہی جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے جب اعتراض کیا تو رِبٰوا کی ضد بیع کو ٹھہرایا۔ رِبٰوا میں بھی فائدہ متصور ہے اور بیع میں بھی فائدہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رِبٰوا کو بیع کے متقابل پیش نہیں کیا۔ اس سلسلے میں ہم نے اپنے معنیٰ کی تصدیق کے لئے سابقہ تفاسیر کو دیکھا تو اُن میں مروجہ معنیٰ کے علاوہ مندرجہ ذیل عبارت بھی درج ہے۔

تفسیر کبیر رازی: اس کا احتمال ہے کہ یہ تمام کلام کفار کا کلام ہو۔

(حوالہ عربی) (مکمل متن آخر میں درج ہے)

تفسیر ابن کثیر: یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو۔

© rasailojaraid.com

(حوالہ اردو) (مکمل متن آخر میں درج ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ معنی پہلے بھی سمجھے گئے ہیں اور سابقہ مفسرین نے لغت کے اعتبار سے اِن معنی کو صحیح مانا ہے لیکن تفسیری اعتبار سے اس مفہوم کو صحیح تسلیم نہیں کیا جیسا کہ امام رازی نے لکھا ہے کہ مفسرین کی اکثریت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ کفار کا قول " انما البیع مثل الربٰوا " پر ختم ہوجاتا ہے اور " احل اللّٰہ بیع وحرم الربٰوا " اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مفسرین کے اس موقف کی صحت پر انہوں نے خود بھی دلائل دیئے ہیں۔

ہمارے فہم میں صرف " احل اللّٰہ البیع وحرم الربٰوا " (کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربٰوا کو حرام) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب سمجھنا قرآن کے اندازِ بیان کے خلاف ہے۔ دیکھئے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا " یا ایھا الذین آمنولا تا کلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم " (مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو) اس طرح تجارت میں آپس کی رضامندی لازمی کردی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ عمل صالح پر انعام یا اجر کا وعدہ فرماتا ہے تو ساتھ " آمنو " (ایمان لانے) کی شرط ضرور ہوتی ہے، لہٰذا اگر آیۂ کریمہ کا دوسرا حصہ اللہ تعالیٰ کا جواب ہوتا تو بیع کے ساتھ جائز، صحیح یا سچائی کا ضرور ذکر ہوتا۔ کیونکہ ہر بیع حلال کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ بیع فاسد اور باطل بھی ہوتی ہے اور اسی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ قول اللہ تعالیٰ کا جواب نہیں بلکہ تادیل کرنے والوں کے قول ہی کا دوسرا مربوط ٹکڑا ہے۔

ہمارے پاس ان دونوں مفہوم میں صحیح کے پرکھنے کا ایک اور معیار بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے رِبٰوا کو قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر کس طرح بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ اہم مسائل کو مختلف جگہ بیان کرتا ہے۔ اس طرح الفاظ کے معانی اور مسئلہ کا اصل مفہوم خود بخود واضح ہوجاتا ہے۔ اس کے لئے ہم نے قرآن مجید میں رِبٰوا کے متعلق آمدہ تمام آیات کو ایک جگہ جمع کرلیا ہے۔ جس کے تحت ہم رِبٰوا کے صحیح

© rasailojaraid.com

مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ ربٰوا کی ضد یا اُس کے متقابل کس عمل کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (۳۹)	اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اُس میں افزائش نہیں ہوتی۔ اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اُس سے خدا کی رضامندی طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دو چند سہ چند کرنے والے ہیں۔
۲۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ	خدا سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔
۳۔ (i) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً	جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (راہِ خدا میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔
(ii) اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ	جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اُٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

(مکمل متن صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

۴۔ (i) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً	اے ایمان والو! دُگنا چوگنا سود نہ کھاؤ۔
(ii) الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ	جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں

(مکمل متن صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

۵۔ وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ	اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کیے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے
۶۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ	مومنو! خدا سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.co

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا
بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ
فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ
وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ
فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

(کہ تم) خدا اور رسول سے جنگ کرنے کیلئے (تیار ہوتے ہو)
اگر توبہ کر لوگے (اور سود چھوڑ دوگے) تو تم کو اپنی اصلی رقم
لینے کا حق ہے اس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا
نقصان، اور اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو (اسے کشائش
کے حاصل ہونے) تک مہلت دو اور اگر (زر قرض) بخش
ہی دو تو تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو!

اب ہم ان آیتوں پر الگ الگ تفصیل سے اپنا نکتہ نگاہ پیش کرتے ہیں۔

حوالہ (۱) معتبر اور مقبول مفسرین نے اس کی تاویل ایسے معانی سے کی ہے۔ جس کی رو سے وہ ہمارے مقالے کی بحث سے باہر ہے۔ اس کی تاویل عطیہ سے کی گئی ہے۔ جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیتے ہیں اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ انھیں بدلے میں اس سے زیادہ ملے۔ طبری نے یہ تفسیر ابن عباسؓ اور دیگر مفسرین سے نقل کی ہے۔ لیکن اس جگہ ایک بات قابل غور ہے کہ ربٰوا کے مقابلے میں یہاں زکوٰۃ کو لایا گیا ہے۔

حوالہ (۲) یہاں الرّبٰوا کے متقابل صدقات کا ذکر ہے۔

حوالہ (۳۔۴) یہاں دونوں جگہ الرّبٰوا اور انفاق کا ذکر آگے پیچھے ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ ہم ایک خاص بات کی طرف توجہ دلائیں گے کہ قرآن اہم مسائل پر ایک ہی مضمون کو دو طرح باندھتا ہے۔ پہلے جس ترتیب سے بیان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ترتیب سے دوسری جگہ لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حوالہ ۳ میں "ینفقون اموالھم" (جو لوگ مال اپنا خرچ کرتے ہیں) پہلے آیا اور "یاکلون الربٰوا" (جو لوگ سود لیتے ہیں) بعد میں آیا۔ اس کے برعکس حوالہ ۴ میں "لا تاکلوا الربٰوا" (سود مت لو) پہلے اور "الذین ینفقون" (جو لوگ خرچ کرتے ہیں) بعد میں لایا گیا۔

متذکرہ بالا تمام آیات سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ الرّبٰوا کی ضد صدقات یا انفاق ہے بیع نہیں [illegible] کا ذہن آمدنی کی طرف پہلے جاتا ہے۔ خواہ وہ [illegible] انہوں نے ربٰوا کے سامنے بیع کا تصور پیش کیا۔ لیکن

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو انفاق کا حکم دیتا ہے۔ جس سے استحصال کے تمام سلسلے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے الربٰوا کے سامنے یا اُس کی ضد انفاق۔ صدقات اور زکوٰۃ کو رکھا ہے۔

حوالہ (۵) اس میں الربٰوا کی ضد کا ذکر نہیں بلکہ مثل کا بیان ہے۔ یعنی لوگ باوجود منع کئے جانے کے ربٰوا لیتے ہیں اور دوسروں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ جس میں ملاوٹ، دھوکہ، جھوٹ، بے ایمانی، غبن، رشوت تمام ذرائع شامل ہیں۔
اس طرح دونوں جرم یعنی "اخذ ربٰوا" (ربٰوا کا لینا) اور "اکل مال بالباطل" (ناجائز طریقے سے مال کھانا) اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یکساں ہیں۔ اس تفصیل کے بعد ہم اصل موضوع پر آتے ہیں۔
آپ نے دیکھا حوالہ (۱) کے معنوں میں تو دو رائے ہو گئیں یا دو احتمالات ہو گئے۔ اس لئے مروجہ مفہوم قابلِ غور ہو گیا کہ آیا "احل اللہ بیع وحرم الربٰوا" اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا قول کا فرین ہے۔ لیکن حوالہ جات ۲۔۳۔۴ سے ایک ہی مفہوم نکلتا ہے کہ ربٰوا کی ضد انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس کے لئے ہم کو انفاق کا مفہوم سمجھنا ہو گا اس کے بعد ہم حوالہ (۶) پر آئیں گے۔

نفق اُس سرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے دونوں راستے کھلے ہوں۔ اِسی لئے نافقہ اُس جانور کو کہتے ہیں جو زیر زمین ایسا گھر بناتا ہے جس میں داخل ہونے اور نکلنے کے دو راستے ہوں، باقی جانور صرف ایک سوراخ والا بل بناتے ہیں۔ اسی سے منافق کا لفظ ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو دو رُخ رکھتے ہوں۔ اصلی اور دکھانے کا اور یا جو صبح کو اسلام میں داخل ہوں اور شام کو نکل جائیں تاکہ لوگوں کو اسلام سے متزلزل کر دیں۔ یا ایسے لوگ جو اسلام میں داخل ہونے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے۔ نفق ہی سے انفاق ہے جس میں دولت ایک طرف سے آتی رہے۔ دوسری طرف سے نکلتی رہے۔ غیر مؤمن دولت کے لئے پہلے تھیلی کو نیچے سے سی لیتے ہیں اور بھرنے کے بعد اوپر سے گرہ لگا دیتے ہیں۔ لیکن مومن کی تھیلی نیفے کی طرح ہوتی ہے۔ جس کے دونوں طرف سے منہ کھلا رہتا ہے کہ ایک طرف سے آتا جائے۔ دوسری طرف سے نکلتا چلا جائے۔ اور اس طرح "انفاق فی سبیل اللہ" کا مقصد پورا ہوتا رہے۔

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ جب بھی کسی بُرے عمل کو چھوڑنے کے لئے حکم فرماتا ہے تو خلا باقی نہیں رکھتا بلکہ اُس خلا کو پُر کرنے کے لئے کسی عملِ خیر کا ضرور ذکر فرماتا ہے۔ مثلاً لا اِلٰہ کے بدلے الا اللہ۔ شیطان کی جگہ رحمان۔ اسی طرح رِبوٰا چھوڑنے کے بدل میں انفاق یا خرچ کرنا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انفاق کا عمل اور جذبہ ہی رِبوٰا سے چھٹکارا دلا سکتا ہے۔ کیونکہ ایمان اور نیک عمل سے ہی بُرائی کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ اسلام میں خرچ کرنے کی کوئی حد نہیں ہے جب تک تمام دنیا میں امن، چین اور خوش حالی نہ پھیل جائے، مومنوں کو اپنی جان اپنا مال خرچ کرتے ہی رہنا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ کوئی اتنا خرچ کیوں کرے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں متعدد جگہ فرمایا ہے کہ تمہاری کمائی میں تمہاری محنت کا حصہ بہت کم ہے اور ہمارے فضل وعنایت کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ مثلاً کھیتی باڑی کے نظام پر غور کیجئے۔ ہم زمین میں صرف ہل چلا کر بیج ڈالتے ہیں۔ اس بیج سے فصل اگانا کس کا کام ہے۔ پانی پر غور کیجئے۔ کیا اُسے بادلوں سے ہم برساتے ہیں یا اللہ! کنوؤں یا دریاؤں کے ذریعے اس پانی کو کون مہیا کرتا ہے۔ سورج کی روشنی اور حرارت کس کا عطیہ ہے۔ ہوا کس کے حکم سے چل رہی ہے۔ زمین میں بیکٹیریا کا عمل کس کے قانون کے تحت ہے۔ رزق پیدا کرنے کی مشینری پر ہم جتنا بھی غور کریں گے تو محسوس ہوگا کہ اس کاروبار میں ہم صرف محنت کرتے ہیں باقی سب کام اللہ کا نظام کرتا ہے۔ اسی بات کو ہم ایک دوسرے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ آمدنی کا انحصار متعدد اسباب پر ہے جن میں چار بنیادی اسباب ہیں۔

۱۔ **محنت** :۔۔۔۔۔ جو ہر شخص کی اپنی جدوجہد اور کوشش پر منحصر ہے۔

۲۔ **صلاحیت** :۔۔۔۔۔ یعنی عقل، ذہانت، جسمانی قوت۔

۳۔ **اسباب** :۔۔۔۔۔ غریب کے ہاں پیدا ہونا یا زمیندار، سرمایہ دار، صنعتکار کے ہاں۔

۴۔ **ماحول اور علاقہ** :۔ ایسے خطّے میں پیدا ہونا جہاں قدرتی اسباب کی فراوانی ہو۔ یعنی افغانستان کی بجائے سعودی عرب میں یا ایتھوپیا کی بجائے امریکہ میں۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

مندرجہ بالا اسباب میں صرف محنت پر ہم کو اختیار ہے جو ہم اپنی مرضی سے کم یا زیادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن صلاحیت ، اسباب ، ماحول یا کسی علاقے میں پیدا ہونا ہمارے اختیار میں نہیں۔ یہ صرف اللہ کی مرضی اور اختیار پر منحصر ہے کہ آپ کس کے ہاں پیدا ہوئے کس علاقے میں پیدا ہوئے اور عقل و ذہانت کا کتنا حصّہ ملا۔ آمدنی کا انحصار اور اس کا معیار بہت حد تک ان ہی اسباب پر ہے اور ان میں محنت کا عنصر سب سے کم عامل ہوتا ہے۔

یہاں ایک اہم بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ سب کو یکساں پیدا کر دیتا۔ ایک ہی طرح کے حالات و اسباب سب کو دیتا۔ محرومی کسی کے لئے نہ رکھتا۔ لیکن آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ انسان انسان کی صلاحیتوں میں فرق رکھنا تو ہماری اپنی ضرورت تھی ورنہ یہ سب کام کیسے چلتا۔ منیجر، انجینئر، اکاؤنٹنٹ ، کلرک، چپراسی ، مزدور، کاشتکار، معمار، لوہار، بڑھئی ، درزی ، مالی ، باورچی، بھنگی کا کام کون کرتا ، انسان کی دنیا میں ارتقا تعمیر اور ترقی کے مراحل طے کرنے کے لئے یہ فرق مراتب ضروری تھا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل ، سمجھ اور عمل کا فرق فرد فرد میں رکھا تاکہ سب انسان اپنا اپنا کام انجام دے کر اپنی انفرادی ضروریات بھی پوری کریں اور تعمیر و ترقی کا کام بھی انجام دیں۔ انسانوں میں فرق ہی ایسے مواقع پیدا کرتا ہے جس سے وہ ایک دوسرے کا کام کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

اسلام ہم میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ ہم اس فرق کو حقیقی نہ سمجھیں اور اپنی کمائی میں سے صرف اتنا حصّہ اپنا حق سمجھیں جو محنت کے معاوضہ کے برابر ہو اور باقی حصّہ جو اللہ کے فضل و عنایت سے ہے ، اللہ کے اُن بندوں پر خرچ کریں اور اپنی صلاحیتوں سے اُن لوگوں کو فائدہ پہنچائیں جو اِن نعمتوں سے محروم ہیں اسی کو انفاق فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔

اب ہم حوالہ ۶ کی طرف آتے ہیں۔ جس میں راس المال پر بڑھتی لینے کے خلاف سخت وعید آئی ہے۔ یہی آیت دراصل الربٰوا کے سلسلہ میں تمام تفصیلات کی حامل

© rasailojaraid.com

ہے۔ یہاں بھی آپ غور فرمائیں گے کہ الربٰوا والی زیر بحث آیات سورۃ بقرۃ کے اڑتیسویں رکوع کی دوسری آیت سے شروع ہوتی ہیں۔ اس رکوع سے پہلے کے دو رکوع یعنی ۳۶ اور ۳۷ ویں رکوع کو پڑھ لیجئے۔ ان میں شروع سے آخر تک سوائے انفاق، صدقہ، خیر خیرات یعنی ضرورت مندوں کی امداد، غریبوں، ناداروں، پریشان حالوں کی حاجت روائی کی فضیلت، ترغیب، تحریص کے سوا کوئی دوسری چیز بیان نہیں ہوئی اسی سلسلے میں یہ بھی ہے کہ جن پر احسان کرو اُن پر احسان مت دھرو۔ جن کی امداد کرو اُن کو طعنے مت دو۔ جن کی حاجت روائی کرو ان کی دلآزاری نہ کرو، ان تمہیدوں کے بعد اڑتیسواں رکوع شروع ہوتا ہے۔ جس میں راس المال پر بڑھوتری لینے سے رکنے اور سابقہ کو چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ ربٰوا اور انفاق سے متعلق ہماری بحث یہاں ختم ہوجاتی ہے۔ اب ہم آپ کی توجہ ایک دوسرے پہلو کی طرف دلاتے ہیں جو بیع اور تجارت سے متعلق ہے۔

ہم نے شروع میں عرض کیا ہے کہ ربٰوا، ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری سب ایک ہی قسم کی برائیاں ہیں لیکن استحصال کے اور بھی بے شمار ذرائع ہیں جن میں اس وقت سب سے زیادہ شور و غل مزدور کے استحصال پر ہے کہ ان سے کام زیادہ لیا جاتا ہے۔ معاوضہ کم دیا جاتا ہے۔ جس سے ان کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ مزدور اُس کا بدلہ اس طرح لیتے ہیں کہ کام کم کرتے ہیں۔ بدانتظامی کرتے ہیں۔ مطالبات زیادہ پیش کرتے ہیں، لیکن یہ دو طرفہ استحصال معاشرے میں جو ناہمواری پیدا کرتا ہے اس سے دنیا کی صرف پانچ فیصد آبادی متاثر ہوتی ہے اس کے برعکس بیع، تجارت اور پیشہ ورانہ صلاحیت کے ذریعہ دنیا کی تمام آبادی کا جو استحصال ہو رہا ہے اُس پر سب خاموش ہیں کیونکہ اس استحصال میں سب شریک ہیں۔ تجارت یا بیع میں چند معروف بُرائیاں تو سب کو معلوم ہیں مثلاً جھوٹ، بے ایمانی دھوکہ، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ، ٹیکسوں کی چوری وغیرہ۔ لیکن گراں فروشی اور منافع خوری کو برائی میں شامل نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ استحصال یا ظلم کا یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے جو معاشرتی عدم توازن، طبقاتی منافرت، باہمی عداوت اور ملکوں،

© rasailojaraid.com

قوموں کے درمیان جنگ کا باعث بنتا ہے۔

دنیا میں ہمیشہ سے ایک ہی طرح کا معاشی نظام قائم چلا آرہا ہے وہ یہ کہ جو کچھ زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جا سکے۔ انفرادی سطح پر یا قومی سطح پر اُس کو پہلے حاصل کیا جائے۔ پھر اس میں سے کچھ حصہ محروموں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آج کل امریکہ، روس، یورپ، جاپان اور عرب ممالک سب نے امداد کا نظام اسی بنیاد پر چلا رکھا ہے، لیکن اس پورے نظام میں ایک ہی اصول کارفرما ہے کہ پہلے دوسروں سے سمیٹ کر لے آؤ اور پھر اس میں سے کچھ حصہ لوٹا دو۔ حال میں ایک دوسرے نظام نے اس نظام کو ختم کر کے یہ اصول بنایا تھا کہ سب کی محنت کا ما حصل ایک جگہ جمع کر لو اور سب کو برابر بانٹ دو۔ لیکن اس میں کوئی زیادہ کام کیوں کرے اس خامی کو نظر انداز کر دیا گیا۔ دوسرے اس نظام میں رضا و رغبت سے دینے کی بجائے جبر و استبداد سے لینے کا اصول اپنایا گیا۔ البتہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب اسلام کا معاشی نظام قائم ہوا تھا تو اس میں مؤمنین لینے یا لانے کے لئے نہیں تڑپتے تھے بلکہ صرف دینے کے لئے بیتاب رہتے تھے۔

اسلام جس معاشی نظام کی طرف دعوت دیتا ہے وہ امن و عافیت، سکون اور سلامتی والا نظام ہے جس میں افراد کے درمیان یا اقوام کے مابین بغض و عناد، فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کا امکان کم ہو۔ اس لئے اسلام کے معاشی نظام کو ایسی بنیادوں پر استوار ہونا چاہیئے جو ان سب برائیوں کو روکتا ہو۔ موجودہ نظام معاشیات میں منافع کا رائج مفہوم یہ ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ کتنی قیمت وصول کر سکتے ہیں خواہ وہ قیمت کروڑوں عام افراد کی استعداد سے باہر ہو لیکن ایک فرد کے پاس دولت کے انبار جمع کر دے۔ اس کے برعکس اسلام میں منافع کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ یہاں بنیادی اصول مناسب قیمت کا ہوتا ہے جو عام شخص ادا کر سکے۔ اگر ہم ذرا سا غور کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہنگامی یا جنگ کے حالات میں ہر ملک اپنے ہاں قیمتوں اور تقسیم پر کنٹرول عائد کرتا ہے۔ تاکہ تاجر مال کی کمی سے زیادہ فائدہ نہ اٹھائیں اور عام لوگوں کو مناسب دام پر حصہ رسدی ضروریات مہیا ہوتی رہیں۔ کمیونسٹ نظام میں تجارت، تقسیم اشیاء،

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

قیمتوں کا تعین سب پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے۔ لیکن اسلام اسی پابندی کو رضاکارانہ طور پر اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ زیادہ منافع کما کر محروموں کی مدد کرنا اسلام کے معاشی نظام سے اتنا قریب نہیں ہے جتنا قریب یہ عمل ہے کہ ارزاں اور مناسب قیمت پر اشیائے صرف کو فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی قوت خرید اور مالی استطاعت کے مطابق داموں کو رکھا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے تو پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش ہے۔ پیداوار میں معدنی، زراعتی، غذائی اور صنعتی جس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذرائع بھی شامل ہیں۔ پھر اس پیداوار کو سب کی ضروریات پورا کرنے کے لئے بہت قلیل منافع پر تمام خطوں کو پہنچانا ہے۔ اس طریقے سے نہ صرف ہر فرد دنیا کی خوش حالی میں اپنے کو شریک سمجھے گا بلکہ دنیا میں چین اور امن کی وہ فضا قائم ہو جائے گی جس سے جنگ کے اسباب ہی ختم ہو جائیں گے۔ آپ تصور کیجئے وہ دنیا کیسی جنت نشان ہوگی، جس میں اخوت اور وحدتِ انسانیت کی بنیاد پر امریکہ، روس کو انتہائی ارزاں قیمت پر گیہوں فروخت کرے گا تو روس کو کیا ضرورت پڑیگی کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے کسی ملک پر قبضہ کرلے یا اپنی تنگی کو دیکھ کر امریکہ سے بدلہ لینے کی کوشش کرے۔ اسی طرح جب امریکہ ایران کو صنعتی پیداوار انتہائی کم دام پر مہیا کرے گا تو ایران اپنا تیل بہت کم منافع پر امریکہ کو مہیا کرے گا۔ پھر کیا ضرورت پیش آئے گی کہ امریکہ خیال کرے کہ میں ایران سے تیل نہ لوں بلکہ اپنے ہاں پیدا کروں یا پھر فوجیں بھیج کر ایران پر قبضہ ہی کرلوں، اس طرح ان ملکوں میں کوئی کشمکش پیدا نہ ہوگی اور مختلف ملکوں اور قوموں کے درمیان ساری انسانیت کی بھلائی کے لئے باہمی تعاون سے امن اور سلامتی کی فضا قائم ہو جائے گی۔

ہم نے یہاں خطوں اور ملکوں کے نام مثال کے لئے لکھے ہیں ورنہ اسلام ان تمام تفریقات کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ اسلامی نظام میں علیحدہ علیحدہ ملک تو کیا براعظم ہائے ایشیا، یورپ اور امریکہ کا تصور ختم ہو جاتا ہے جس طرح ایک ملک کی حکومت اپنے

© rasailojaraid.com

تمام باشندوں کا خیال رکھتی ہے کہ اس ملک میں کسی جگہ بھی تکلیف پیش آئے تو اس ملک کی ساری انتظامیہ اور قوم کے تمام افراد مل کر اس مشکل میں مدد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اسی طرح اسلام کے معاشی نظام کا فائدہ بغیر کسی طبقہ، خطہ، ملک یا علاقہ کی تخصیص کے، ساری انسانیت کو یکساں پہنچے گا، کیوں کہ وحی کی روشنی انسانوں کو عقل خود بیں کی بجائے عقل جہاں بیں کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ یعنی انفرادی یا ذاتی مفاد کی بجائے کل نوعِ انسانی کا مفاد! لیکن ایمان کی طاقت کے بغیر یہ کام ساری دنیا کے انسان مل کر بھی اپنی تمام تر خواہش کے باوجود انجام نہیں دے سکتے۔

ہم یہ بھی واضح کر دیں کہ تجارت یا بیع تبادلۂ اشیا کا ذریعہ ہے۔ سامان کی نقل و حمل کا ذریعہ ہے۔ لوگوں کی ضروریات مہیا ہونے کا ذریعہ ہے۔ رزقِ حلال کمانے کا ذریعہ ہے لیکن منافع خوری یا مال جمع کرنے کا ذریعہ اس کو نہیں بنایا جا سکتا۔ ورنہ کافروں کی یہ بات صادق آ جاتی ہے کہ جس طرح اشیا کی فروخت میں نفع لینا جائز ہے۔ اسی طرح سرمایہ پر نفع لینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ حالانکہ جو کچھ کسی سے اُس کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر وصول کیا جائے۔ وہ رِبٰوا کی صورت میں بھی بُرا ہے اور بیع کی صورت میں بھی بُرا ہے۔ اب ہم رِبٰوا کی ممانعت کے متعلق ملکی قوانین میں پابندی سے متعلق کچھ کہنے کی جرأت کرتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں قرآن شریف میں "یایھا الذین آمنو لا تا کلو الرِبٰوا" (اے ایمان والو رِبٰوا کھانا چھوڑ دو) یا غیر مومنین کی صفت میں "الذین یا کلون الربٰوا" (وہ لوگ جو رِبٰوا لیتے ہیں) کی آیات پہلے سے موجود تھیں۔ لیکن متذکرہ آیت جس میں رِبٰوا کی ممانعت کے متعلق پوری تفصیلات ہیں۔ وہ سب سے آخر میں آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ والے دن جب اسلام کا معاشی نظام استوار ہو چکا تھا۔ اس وقت یہ فرمایا کہ "جاہلیت کے تمام سود میرے قدموں تلے برباد ہیں۔ سب سے پہلا سود جسے میں مٹاتا ہوں وہ عباسؓ کا سود ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ انتظامی امور میں رِبٰوا کی ممانعت کا نفاذ اُس وقت نافذ کی جانی چاہیئے جس وقت اسلامی حکومت

©rasailojaraid.com

اور اسلام کا معاشی نظام بالفعل قائم ہو چکا ہو۔ ورنہ نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ ہم قانونی اور شرعی موشگافیوں کے ذریعہ صرف طریق کار کی تبدیلی سے سابقہ نظام برقرار رکھ رہے ہیں اور اس برائے نام تبدیلی کو عین اسلام کے معاشی نظام کے مطابق بتا رہے ہیں۔

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح اسلامی ممالک میں بھی تمام ملکی قوانین اپنے رواج، معاشرتی ضروریات اور تقاضوں کے تحت نافذ کئے جاتے ہیں، اگر ربٰوا کی ممانعت کا قانون بھی اسی طریق کار کے تحت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جس طرح اکثر ممالک میں شراب بندی کا قانون موجود ہے۔ لیکن یہاں سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم اس قانون کو اسلام کا ایک حکم بتا کر نافذ کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کی تمام اخلاقی اقدار ہمارے ملک میں پوری طرح پامال ہو رہی ہیں۔ وہ اخلاقی پابندیاں جو دوسرے غیر مسلم ممالک تجارت میں قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ہم اُس میں بھی پیچھے ہیں۔ اسی وجہ سے ساری دنیا ایسے حالات میں صرف ربٰوا کی ممانعت کے قانون پر نہ صرف ہمارا مذاق اڑا رہی ہے بلکہ اسلام سے اور دور ہوتی جا رہی ہے۔

© rasailojaraid.co

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ بات آپ کے سامنے پوری طرح واضح ہو گئی ہوگی کہ اس تحریر کا مقصد ربٰوا یا سود کے لئے جواز پیدا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ایک مشکل تر زندگی اور زیادہ مربوط عمل کی طرف دعوت ہے۔ گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی، ارتکاز زر اور باطل طریقے سے اکل مال سے مکمل پرہیز کے ساتھ اور بہبود عامہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد ہی ہمارا معاشرہ اور ہم ربٰوا کے خاتمے کے مرحلے تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسلام کا جو حقیقی اور مثالی معاشی نظام ہے۔ اُس کے پوری طرح عمل میں آنے کے لئے ایک خاص قسم کے ذہنی اور خارجی ماحول کا وجود ضروری ہے جس معاشرے میں وہ مخصوص ذہنی اور خارجی ماحول موجود نہ ہو۔ وہاں نہ تو کامل طور پر صحیح معاشی نظام بروئے کار آسکتا ہے نہ قائم رہ سکتا ہے۔ لہذا اسلام مومنوں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اسلام کے حقیقی معاشی نظام کو بروئے کار لانے سے پہلے اس خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول کو وجود میں لانے کی امکانی کوشش کریں۔ جس کے بغیر وہ معاشی نظام صحیح اور کامل طور پر عمل میں نہیں آسکتا۔

© rasailojaraid.co

ہم سود کی جگہ جس نظام کو رائج کرنا چاہتے ہیں وہ شراکتی نظام ہے۔ ایسے شراکتی نظام کے متعلق یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ صرف نام کی تبدیلی ہے۔ اس سے اصل صورتِ حال میں کسی بہتر تبدیلی کی توقع پوری نہ ہو سکے گی۔ پھر ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیا ایسے شراکتی نظام سے معاشرہ سدھر جائے گا۔ برائیوں سے پاک ہو جائے گا۔ ہمارے ہاں مالیات میں بے شمار بدعنوانیاں ہیں جصّہ داروں سے ہم دھوکہ کرتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ اُن سے منافع چھپاتے ہیں۔ جس کے لئے اخراجات بڑھا کر دکھاتے ہیں۔ اصل مال بھی فروخت کر کے حساب سے الگ نکال لیتے ہیں۔ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ٹیکس کی زیادتی اُن کو آمدنی کے اخفا پر مجبور کرتی ہے۔ پبلک سیکٹر میں گو ٹیکس بچانے کے لئے نہیں تو انفرادی مفادات کے لئے نفع چھپایا جاتا ہے۔ جس کو انتقال کا ہو اور معاوضہ ملازموں کا ہو۔ پھر نیکی کے لئے کوئی جذبۂ محرکہ نہ ہو۔ سارا معاشرہ دولت سمیٹنے میں لگا ہو تو پبلک سیکٹر کے عمال کوئی فرشتہ تو نہیں کہ وہ اس سیلاب میں اپنے کو بہہ جانے سے روک سکیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ٹیکس وصول کرنے کے بعد اس کے برباد کرنے، ضائع کرنے کا "اہتمام" اتنا زیادہ ہے کہ اُس میں تعمیری پہلو بہت کم ہے۔ ہر طرف لوگوں سے وصول کی ہوئی رقم کا ضیاع ہے۔ ایسے معاشرے میں نئے شراکتی نظام سے اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ بدعنوانی کا ایک اور دروازہ کھل جائے۔ اب تک جھوٹ حصّہ داروں سے، حکومت سے بولا جاتا تھا۔ اب شریک بنکوں کے ساتھ مزید جھوٹ بولا جائے گا۔

© rasailojaraid.co

رِبٰوا کو ملکی توانین میں ممنوع قرار دینے کے ساتھ ہی قومی معیشت میں خسارے کی سرمایہ کاری یعنی سونے یا مال کی ضمانت کے بغیر کرنسی نوٹ گردش میں لانے کا عمل بھی قابلِ غور ہو جائے گا۔ کیوں کہ اس طرح اچانک سرمائے میں اضافہ جوئے اور سٹّے کی آمدنی سے مماثلت رکھتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس سے کچھ لوگوں کو روزگار اور کام کے مواقع مل جاتے لیکن اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گرانی ساری آبادی کو متاثر کرتی ہے اور ملک کی پوری معیشت کے لئے نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا معاشی نظام اخراجات کو کم کرنے اور ضروریات کو گھٹانے کی ترغیب دیتا ہے۔ باطل طریقے سے سرمائے

© rasailojaraid.co

کے اضافے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام کا انفاق والا نظام کبھی نافذ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے جتنے ایثار و قربانی کی ضرورت ہے وہ کون دے گا۔ جس نظام میں دینا ہی دینا ہوگا تو وہاں کوئی کام کیوں کرے گا۔ ایسی باتیں سب خیالی نظر آتی ہیں۔ عمل میں کہاں آسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم آج سے چودہ سو برس پہلے کی بات تو بعد میں کریں گے، پہلے اسی دور کی بات کرلی جائے۔ ابھی کوئی ستّر برس پہلے ایک معاشی نظام کمیونزم کے نام سے ابھرا۔ جو اگرچہ ناکام ہوگیا ہے۔ لیکن انسانی تاریخ میں اس کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ جب ایسا جابرانہ نظام بھی قائم ہے کہ جس میں آپ کو کام پورا کرنا پڑتا ہے اور معاوضہ مقررہ ملتا ہے۔ ایک اکثریت مغلوب سے کہیں زیادہ کو ایسا نظام جبراً و قہراً ماننا پڑا کیوں کہ حکومت کی طاقت اس کو نافذ کرنے والی تھی۔ لیکن اسلام میں ایمان کی طاقت وہ قوت ہے جو حکومت کی طاقت سے کہیں بڑی ہے یہی اصل قوت اور جذبۂ محرکہ ہے جو تمام طاقتوں پر حاوی ہے۔ ایمان والے اپنی قوتِ ایمانی کے تحت ہر ایثار و قربانی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ مال تو کیا چیز ہے وہ جان بھی دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کو خرچ ہی خرچ کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں آتی۔ کیونکہ ان کو دنیا کی زیب و زینت، آسائش و آرائش اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائے بعثت سے خلفائے راشدین تک کا زمانہ اس پر شاہد ہے کہ ایسا نظام رضاکارانہ طور پر قائم ہوا۔ مالِ غنیمت کا قیمتی سے قیمتی سامان ایک معمولی سپاہی لاکر خزانے میں جمع کرا دیتا تھا پھر اُس کو اپنے حصّے کے بقدر اُس میں سے ملتا تھا۔ ذرا سی ضرورت پر غلے سے بھرے ہوئے اونٹوں کے پورے قافلے ضرورت مندوں کو مفت دے دیئے جاتے تھے۔ اکابر صحابہ کو جو کچھ مالِ غنیمت سے ملتا وہ اُسی وقت حاجت مندوں اور ضرورت مندوں تک پہنچا دیتے ایسے سینکڑوں واقعات سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا معاشرہ ممکن ہے۔ اور اسی میں انسانیت کی نجات مضمر ہے۔

تاریخی حقائق کے اس پس منظر میں ہم مومنین و صالحین کے ایسے معاشرے کا اندازہ

© rasailojaraid.com

کر سکتے ہیں۔ وہ معاشرہ جہاں اخوت کا جذبہ حقیقی معنوں میں کار فرما ہو۔ جہاں زندگی کا مقصد ہی یہ ہو کہ دوسرے کو فائدہ پہونچایا جائے۔ جہاں نیت یہ ہو کہ امن و سلامتی کا دائرہ ساری دنیا میں پھیل جائے۔ جس معاشرے میں سب کی ضروریات پوری ہونے کا اہتمام ہو۔ اس معاشرے میں نہ خوف ہوگا نہ حزن ہوگا نہ چور کا ڈر ہوگا نہ حکومت کے ٹیکس کا۔ لوگ روپیہ بنکوں میں مختلف ناموں سے نہیں رکھیں گے۔ وہاں لوگ اپنی پسند کے لوگوں کے ساتھ کاروبار کریں گے کیونکہ باہمی اعتماد اور بھروسہ ہوگا۔ ایسے معاشرے میں بینکاری کے مقصدِ نظام میں بھی ایک انقلابی تبدیلی آئے گی اور وہ محض معاشی استحصال کے نظام کے استحکام کا ایک حربہ نہیں بنا رہے گا۔

ہم جب کسی نظام کے قیام کی بات کرتے ہیں تو اس میں اصولی، فلسفیانہ اور فکری بحث پہلے ہوتی ہے۔ جو نظریاتی طور پر ضروری ہے۔ موجودہ دور علمی نظریات کا ہے۔ افکار اور تصورات انسانوں کو مغلوب کرنے میں افواج اور اسلحہ سے زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی سیاسی سرحدیں، دفاعی قلعہ بندیاں، پہاڑوں کی جغرافیائی رکاوٹیں، سمندروں کی وسعتیں، نظریات کی یلغار کو نہیں روک سکتیں۔ اس لئے ہم کو پہلے اسلام کے صحیح نظریات سے لوگوں کو متعارف کرانا ہوگا۔ جب ان نظریات کا اطلاق منظور ہوگا تو پھر اس کے لئے قوانین اور عملی نظام مرتب ہوگا۔ اس وقت ان نظریات اور قوانین پر عمل کرنے کے لئے پہلے کچھ افراد، پھر ایک جماعت اور آخر میں ایک پوری نسل کو شعوری طور پر قربانی دینی ہوگی اور اسلام کے معاشی نظام کو مکمل اور غیر مشروط طور پر اپنانا ہوگا لیکن ہماری ایک نسل تو کیا چند افراد بھی اپنی آئندہ نسلوں کے لئے اور کُل نوعِ انسانی کے لئے قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے یہ ایک مسئلہ بن جاتا ہے کہ اسلام کے نظامِ معیشت و معاشرت کو عملی طور پر کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے۔

اس مقالے کے اختتام پر ہم حضرت مولینا ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہٗ کی ایک تقریر سے کچھ اقتباسات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

© rasailojaraid.co

اقتباس

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر دور میں دنیا کے لئے ضرورت رہی ہے کہ ایک مکمل معاشرہ ایک ملّت اور ایک عالمگیر دعوت کی سطح پر اسلامی زندگی پائی جائے۔ یہ کہنا کافی اور مفید نہیں کہ صاحب کتابوں کے اندر پورا اسلام موجود ہے، دیکھ لیجئے پڑھ لیجئے! یا آپ کہیں کہ اگر آپ کو معلوم کرنا ہو کہ اللہ شناسی کیا ہوتی ہے، اللہ کا خوف کیا ہوتا ہے، اچھے اخلاق کیا ہوتے ہیں تو ہم آپ کو فلاں بزرگ سے ملا دیں گے، اس سے دنیا ہدایت نہیں پاتی اور دنیا میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ دنیا اس وقت توجہ اور غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے، جب پورے معاشرے کی سطح پر، پورے تمدّن کی سطح پر عالمگیر اسٹیج پر (جس پر تمام دنیا کی نگاہیں پڑتی ہیں) صحیح اور مکمل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کیا جائے اور قوموں اور ملکوں کی نگاہیں یہ اندازہ لگا سکیں کہ اسلام کا عقیدہ انسان کی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کر سکتا ہے، اللہ کے یہاں سے آئی ہوئی روشنی اور ہدایت کا نور اس کی زندگی کو اس طرح چمکاتا اور سنوارتا ہے، شریعت کی تعلیمات کس طرح کا معاشرہ پیدا کرتی ہیں، کس طرح کے اخلاق پیدا کرتی ہیں، جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک انسانیت کیا انسانیت کا کوئی چھوٹا سا کنبہ اور عالم انسانی کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی توجہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

آج بھی دنیا کی ضرورت یہ ہے کہ کسی ملک کا پورا معاشرہ اسلامی زندگی کی نمائندگی کر رہا ہو۔ اسلامی اخلاق کیسے ہوتے ہیں، مسلمان کس طرح اس پر یقین رکھتا ہے کہ غلط اعمال کرنے سے ناکامی ہوتی ہے اور صحیح زندگی اختیار کرنے سے کامیابی ہوتی ہے۔ یہ حکومتوں کی سطح پر، ملکوں کی سطح پر، معاشروں کی سطح پر، سوسائٹی کی سطح پر ہو اور منظر عام پر یہ حقیقت جلوہ گر ہو۔ آج ہم کسی ایک ملک کا نام نہیں لے سکتے کہ تم آنکھ بند کر کے اس میں چلے جاؤ دیکھ لو کہ اسلام کیا ہوتا ہے، اسلامی اخلاق کیا ہوتے ہیں، مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، مسلمان ناپ تول میں کمی نہیں کرتا، مسلمان دھوکہ نہیں دیتا، مسلمان زر کا پرستار نہیں ہے۔ مسلمان عاجل اور وقتی منافع کے لئے آجل اور دائمی منافع کو قربان نہیں کرتا، مسلمان اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا، مسلمان ظلم کرنا نہیں جانتا، مسلمان نے دھوکہ دینے کا سبق نہیں پڑھا، مسلمان کو بڑی سے بڑی سیم و زر کی تھیلی اور بڑی سے بڑی پیشکش

خرید نہیں سکتی، مسلمان اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرتا۔ مسلمان جس بات کو حق سمجھتا ہے اس پر اپنا گھر لٹا سکتا ہے۔ سر کٹا سکتا ہے، اپنے خاندان کو خطرے میں ڈال سکتا ہے، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ سکتا ہے، فاقہ کر کر کے مر سکتا ہے، لیکن کفر وضلالت اور ظلم وستم کا راستہ نہیں اختیار کر سکتا۔ آج پوری دنیائے اسلام کی سب سے بڑی احتیاج، اس کا سب سے بڑا فاقہ، اس کا سب بڑا فقر، اس کی سب سے بڑی طلب، اس کی سب بڑی ضرورت یہ ہے کہ کوئی ایسا معاشرہ تیار ہو جائے، جس کی طرف انگلی اٹھا کر ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں کہ اسلام کو دیکھنا ہو تو اس معاشرے کو دیکھ لو۔

آج ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ہماری نگاہیں نیچی ہو جاتی ہیں، ہماری قوت گویائی جواب دے جاتی ہے، جب ہم سے کوئی پوچھتا ہے کہ سب صحیح، اسلام کی تعلیمات برحق، اور اس نے زمانہ ماضی میں جو انقلاب برپا کیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر مستند تاریخ نہ ہوتی تو وہ باتیں یقین کرنے والی نہیں ہیں، جو ہم سیرتِ نبویؐ اور صحابۂ کرام کے حالات میں پڑھتے ہیں، مگر تم اللہ کے لئے کسی محدود سے محدود خطے کو معین کر کے بتا دو کہ وہاں معیاری اسلامی زندگی پائی جاتی ہے، وہاں چوری نہیں ہوتی، وہاں دھوکہ نہیں ہوتا، وہاں فسق وفجور نہیں ہوتا، وہاں دولت ہی کو اور دنیاوی کامیابی ہی کو اصل کامیابی نہیں سمجھتے یہاں آکر ہمارا سر جھک جاتا ہے، ہمارا منہ بند ہو جاتا ہے۔

حضرات! سیرت کا ایک معمہ ہے، ایک بڑا علمی وتاریخی سوال ہے کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک (جو مشکل سے دو سال ہیں) جس تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے اور عرب قبائل نے جس تعداد میں اسلام قبول کیا کہ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا منظر سامنے آگیا، وہ مکہ معظمہ کی پوری تیرہ سالہ زندگی میں اور مدینہ طیبہ کی آٹھ برس کی زندگی میں (صلح کے دو برس مستثنیٰ کر رہا ہوں) دیکھنے میں نہیں آیا، سیرت کا غور سے مطالعہ کرنے والے پوچھتے ہیں کہ دو برس کے اندر جزیرۃ العرب میں جس تیزی کے ساتھ اسلام پھیلا ہے اور جس کثرت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ہیں پورے اکیس برس میں نہیں ہوئے اس کا کیا جواب ہے؟ امام زہریؒ جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں اور روایت حدیث کے

© rasailojaraid.com

ایک بڑے ستون ہیں، اور جن سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روایات کتب صحاح و سنن میں مروی ہیں، انہوں نے یہ بات کہی ہے کہ اس دو برس کے اندر جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ اکیس برس کے اندر نہیں ہوئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد کفّار عرب کو اور خاص طور سے کفار مکہ کو مدینہ طیبہ کے مسلمانوں سے، اپنے مہاجر بھائیوں سے ملنے کے آزادانہ مواقع میسر آئے اس لئے کہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ کوئی کسی پر حملہ نہیں کر سکتا، کوئی جنگی کارروائی نہیں ہو سکتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عزیز اپنے عزیزوں سے ملنے آئے، بھائی بھائیوں سے ملنے آئے اور قریشی ان قریشیوں سے ملنے آئے جو یہاں ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ مکّہ سے شام اور شام سے مکّہ آتے جاتے لوگ اپنے مہاجر بھائیوں سے ملتے تھے اور ان کے گھر مہمان ہوتے تھے، ان کو ان کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ جس کے نتیجے میں ایمان ان کے دل میں اتر جاتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام نے کتنا بڑا انقلاب ان کی زندگی میں برپا کر دیا۔ ہمارے ان کے نسب میں کوئی فرق نہیں، ہماری ان کی زبان میں کوئی فرق نہیں، ہماری ان کی نسل میں کوئی فرق نہیں، یہ بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے، ہم بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے۔ ہم بھی عدنانی اور قحطانی ہیں اور ہم بھی قریشی، ہاشمی اور اموی ہیں، مخزومی اور تیمی ہیں، ہماری زبان بھی ایک ہے، قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے اس کو ہم ان کے برابر سمجھتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ ہم جانوروں کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ فرشتوں کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ اپنے مہمانوں کو کھلانے کے لئے اپنے بچوں کو بھوکا رکھتے ہیں، یہ مہمانوں کو اطمینان دلانے کے لئے پھونک مار کر چراغ بجھا دیتے ہیں، یہ اپنے بچوں کے سامنے کی روٹی اٹھا کر اپنے ان بھائیوں ان پردیسی مسافروں کے سامنے رکھ دیتے ہیں، جن سے ان کا دین کا اختلاف ہے، عقیدے کا اختلاف ہے اور جو ابھی تک ان کے مخالف اور برسرِ جنگ رہے۔ کیا بات ہے؟ یہ انقلاب ان میں کہاں سے آیا؟ ہمارے اور ان کے درمیان یہ زمین اور آسمان کا فرق کیسے پیدا ہو گیا؟

انسان انسان ہے، سوچنا اس کی فطرت ہے اندر سے جو سوال ابھرتے ہیں ان کے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.co

جواب دینا اس کی فطرت ہے، انسان کا ضمیر کتنا ہی سو جائے، لیکن وہ مرتا نہیں ہے، وہ جاگ اٹھتا ہے۔ ان کے دل نے ان سے سوال کیا اور جب دل سوال کرے تو اس کا ٹالنا آسان نہیں ہوتا۔ ہم آپ سوال کریں، راستہ چلتا کوئی سوال کرے، تو اس کو دس بہانوں سے خاموش کیا جا سکتا ہے، لیکن جب دل پوچھنے لگے، جب دیکھنے والی آنکھیں پوچھنے لگیں، جب سننے والے کان پوچھنے لگیں، جب جسم کا ریشہ ریشہ سوال کرنے لگے کہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے لئے بتاؤ کہ یہ کل مکہ سے آئے تھے، ابھی تھوڑے دن ہوئے اور تمہارے ہی بھائی بند ہیں، یہ جھوٹ نہیں بولتے، یہ دھوکہ نہیں دیتے، دوسروں کو کھلائے بغیر ان کے حلق سے نوالہ نہیں اترتا، یہ مہمانوں کا خیال اپنے بچوں سے زیادہ کرتے ہیں، ان کو دنیا کی کوئی طاقت خرید نہیں سکتی، صرف ایک اللہ سے ڈرنے والے ہیں، تو ان کے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی، جس نے مکہ تک ان کا ساتھ نہیں چھوڑا، وہ مکہ میں اپنے گھروں تک پہنچ گئے آرام سے لیٹ گئے لیکن وہ چبھن تھی کہ ہو رہی تھی کہ آخر کیا بات ہے یہ انقلاب عظیم کہاں سے برپا ہوا؟

© rasailojaraid.com

پھر انہوں نے خود جواب دیا کہ کوئی چیز تلاش کرنے سے بھی نہیں معلوم ہوتی، ایک ہی غذا ہم کھاتے تھے، ایک ہی طرح کا کپڑا ہم سب پہنتے تھے۔ وہ چیزیں جو اسلام نے حرام کی ہیں پہلے سے ان کی فطرت سلیم ان سے ابا کرتی تھی، وہ خنزیر نہیں کھاتے تھے، وہ غیر مذبوح چیزیں بھی نہیں کھاتے تھے، یہ ساری چیزیں ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں، پہناوا ایک، غذا ایک، زبان ایک، لہجہ ایک، آب و ہوا ایک، وطن ایک، قوم ایک، پھر کیا بات ہے کہ یہ فرشتے ہیں اور ہم جانور، وہاں ان کو جواب ملتا تھا کہ یہ اسلام کا کرشمہ ہے، اس سے وہ مسلمان ہوتے چلے جا رہے تھے اور یہ حالت ہو گئی تھی کہ جیسے تسبیح ٹوٹ جائے تو دانے ایک کے اوپر ایک گرنا شروع ہوتے ہیں، دانوں کی بارش ہو جاتی ہے اسی طرح اسلام لانے والوں کی بارش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے الفاظ میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے: "یدخلون فی دین اللہ افواجا" (اسلام میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

پس بھائیو اور عزیزو! آج کرنے کا کام یہ ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ قائم کریں،

© rasailojaraid.com

جس کے دیکھنے کے بعد سیّاح یا نو وارد کہے کہ ہم نے ایسا اچھا، ایسا پاکیزہ معاشرہ نہیں دیکھا۔ لیکن اگر یہ نہیں ہے، اگر آپ کے اندر بھی دولت کی لائی ہوئی ساری خرابیاں موجود ہیں، آپ کے اندر بھی حق کے خلاف کہنے اور چلنے کی صلاحیت موجود ہے، آپ بھی عقیدے پر پیسے کو ترجیح دیتے ہیں؟ آپ پیسے کو صداقت پر ترجیح دیتے ہیں؟ آپ پیسے کو انصاف پر ترجیح دیتے ہیں؟ آپ کے اندر بھی وہی نسلی تعصب، خاندانی تعصب، صوبائی تعصب اور لسانی تعصب ہے، جو دوسرے ملکوں کی مختلف قوموں، نسلوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں میں پایا جاتا ہے تو دنیا کی کوئی قوم اور کوئی ملک بھی آپ کو خرید سکتا ہے اور آپ کو اپنے اغراض کے لئے آلۂ کار بنا سکتا ہے، پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے بھی اس کو یہاں لوگ مل جائیں گے تو آپ یقین مانئے کہ ہم اسلام کی صداقت دنیا پر ثابت نہیں کرسکتے اور ہم اسلام کی نمائندگی کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ ہم دنیا کو مایوس کریں گے، ان سیّاحوں مورخوں اور مبصروں کو مایوس کریں گے جو پاکستان آئیں گے وہ یہ دیکھیں گے کہ یہاں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو کسی غیر اسلامی ملک میں ہوتا ہے، بلکہ بعض ترقی یافتہ اور آزاد ملکوں کا سیاسی شعور اور شہری احساسِ ذمہ داری بہت سی پستیوں، بہت سی بدعنوانیوں سے ان کو روکتا ہے یہاں وہ بھی نہیں ہے۔

اس وقت اسلام کی سب سے بڑی خدمت اور دنیا کی سب سے بڑی ضرورت اسلامی معاشرہ ہے اور ایک پورے ملک کی سطح پر، افراد کی سطح پر نہیں، گھروں کی سطح پر نہیں، مساجد کی سطح پر نہیں بلکہ بازاروں کی سطح پر اور بین الاقوامی مجمعوں کی سطح پر۔ ایک خطۂ ارضی تو کم از کم ایسا ہو جہاں پر اسلام کی صحیح زندگی آنکھوں سے دیکھی جاسکے، اس کو چھوا جاسکے، مس کیا جاسکے، تخیل سے نہیں، ذکاوت سے نہیں، خیال آرائی سے نہیں، ہاتھوں سے مس کیا جاسکے۔ میں کپڑے کو چھوتا ہوں مجھے اس کی نرمی محسوس ہوتی ہے، میں جسم کو چھوتا ہوں مجھے اس کی گرمی محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلامی زندگی مس کی جاسکے اس کی نرمی اور گرمی، اس کا گداز، اس کا سوز و ساز محسوس کیا جاسکے، قلب اس کی شہادت دے، دماغ اس کی شہادت دے، آنکھ اور کان اس کی شہادت دیں۔ وہ شہادت جو کوئی جھٹلا نہ سکے۔

اقتباس از عنوان ما — "تحفۂ پاکستان"

© rasailojaraid.com

حوالہ ۱

اتل ما اوحی ۲۱ | الروم ۳۰

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ
اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

حوالہ ۲

تلک الرسل ۳ | البقرۃ ۲

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

حوالہ ۳

تلک الرسل ۳ | البقرۃ ۲

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ
الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۗ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۗ

©rasailojaraid.com

حوالہ ۴

لن تنالوا ۴ | آل عمران ۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ
الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى
السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ

حوالہ ۵

لا یحب اللہ ۶ | النسآء ۴

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَ
اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

حوالہ ۶

تلک الرسل ۳ | البقرۃ ۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى
مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

©rasailojaraid.com